سوال نمبر2(الف) (i)

شاہ ولی اللہؒ کی تحریک

شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحب زادوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کے لیے تحریک شروع کی۔ اس کے بعد ان کے پوتے اور مرشد نے اسلام کی سربلندی کے لیے یہی کام کیا۔

سوال نمبر2(الف) (ii)

جنگِ آزادی کا نتیجہ

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کو ناکامی حاصل ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے قدم جمانے کی کوشش کی مگر انگریزی اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔ اس لیے انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔

سوال نمبر2(الف) (iii)

انگریزوں سے مفاہمت کی ضرورت

مسلمان ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد احساس مکتری کا شکار تھے۔ ان کی تہذیب اور روایات خطرے میں تھیں اور انھیں ظلم و ستم سے پاک زندگی گزارنے کے لیے تہذیبی اور اخلاقی اصلاح کی ضرورت تھی۔ اس اصلاح پر توجہ دینے اور احساس مکتری کو دور کرنے کے لیے سرسید نے انگریزوں سے مفاہمت کو ضروری سمجھا۔

کانگریس کے مقاصد

سوال نمبر 2 (الف) (iv)

۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ بظاہر تو ان کا مقصد ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوانا تھا مگر بعد میں پتا چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں۔ انگریزوں کے دورِ حکومت میں انھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

مسلم لیگ کے قیام کی ضرورت

سوال نمبر 2 (الف) (v)

مسلم لیگ کے قیام کی ضرورت اس لیے پیش آئی کیونکہ کانگریس جلد ہی تمام اقوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے کیے گئے دعوے سے دست بردار ہوگئی اور ہندوؤں نے اس کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے کاروبار سے محروم کردیا۔ وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابض ہوگئے اور اردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کردیا۔ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مسلم لیگ کا قیام ضروری تھا۔

عبارت کی تلخیص

سوال نمبر 2 (الف) (vi)

شاہ ولی اللہؒ اور ان کے مقلدین نے مسلمانوں کو پستی سے نکالنے اور اسلام کی اشاعت کے لیے تحریک شروع کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب رہے۔ چونکہ انگریزی اقتدار مضبوط ہو چکا تھا، مسلمانوں کی ۱۸۵۷ء میں کی گئی آزادی کی کوشش ناکام رہی۔ ۱۸۸۵ء میں کانگریس کا قیام ہوا مگر اس نے جلد ہی مسلمانوں کے حقوق کی پامالی شروع کردی۔ سرسید نے انگریزوں سے مفاہمت کو ضروری سمجھا اور مسلمانوں کی اخلاقی اور دینی تربیت کی، سیاست سے دور رکھا جس کے بعد مسلم لیگ کا قیام ہوا۔

شہادت کی دولت

سوال نمبر 2(ب) (i)

شاعر نے شہادت کو دولت اس لیے قرار دیا ہے کیونکہ شہید اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ ان کا یہ جذبہ انھیں دنیا میں عزت اور آخرت میں سرخروئی کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا حقدار بناتا ہے اور یہی وہ حقیقی دولت ہے جو راہِ حق کے مسافروں کا مقدر ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:
"اور شہیدوں کو مردہ مت کہو کہ وہ زندہ ہیں مگر تم لوگ شعور نہیں رکھتے۔"

آفت کے مارے

سوال نمبر 2(ب) (ii)

"آفت کے ماروں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ریاستِ مدینہ کے قیام سے پہلے مظلوم و محکوم تھے۔ ان میں غربا، فقرا، مساکین، غلام وغیرہ شامل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ظہورِ اسلام سے پہلے بربریت کا شکار تھے اور ان کے کوئی حقوق نہ تھے مگر ریاستِ مدینہ کے قیام کے بعد انھیں تسکین اور راحت نصیب ہوا۔

شعر نمبر ۳ کا مرکزی خیال

سوال نمبر 2(ب) (iii)

ریاستِ مدینہ کے لوگ صداقت پر قائم تھے۔ یہ سچ بولنا اور سچ سننا پسند کرتے تھے۔ ان کی عاجزی اور انکساری نے انھیں عروج سے نوازا۔

محبوب کے آنکھ اٹھانے کا نتیجہ

سوال نمبر 2(ج) (i)

محبوب کے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ عاشق کا بدن جان سے خالی ہوگیا۔ اس کی حالت ایسے شخص جیسی ہوگئی جو زندہ تو ہے مگر جسم میں جان نہیں ہے۔ محبوب حقیقی کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ فنافی اللہ ہوگیا جبکہ محبوب مجازی مراد لیا جائے تو عاشق محبوب کو دیکھ کر اپنے ہوش کھو بیٹھا۔

امیرِ شہرِ جمال سے مطالبہ

سوال نمبر 2(ج) (ii)

شاعر نے امیرِ شہرِ جمال سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ گداگروں سے چشم پوشی کی بجائے اپنے حسن و جمال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ شاعر نے اپنے محبوب کو امیرِ شہرِ جمال کہا ہے اور شاعر کا موقف ہے کہ محبوب کو اس جیسے گداگر کو اپنا دیدار کروا کر حسن کی زکوٰۃ دینی چاہیے اور شاعر سے منہ موڑ کر گناہ نہیں کمانا چاہیے۔

مرثیہ اور اس کے دو اجزا

سوال نمبر 2(د) (i)

مرثیہ عربی زبان کے لفظ رثیٰ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "رونا یا آہ وزاری کرنا"۔ مرثیہ وہ صنف ہے جس میں کسی شخصیت کی وفات پر رنج و الم کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ صنف پہلے عربی میں رائج تھی مگر بعد میں اردو میں بھی شامل ہوگئی۔ اردو ادب میں مرثیہ وہ صنف ہے جس میں واقعہ کربلا اور حضرت حسینؓ اور ان کے رفقا کی شہادت اور حق و باطل کا بیان کرنا مقصد ہوتا ہے۔ مثلاً علامہ اقبال کا شخصی مرثیہ "والدہ مرحوم کی یاد میں"، میر انیس کا کربلائی مرثیہ وغیرہ

اجزا: رخصت: جب کوئی شخص میدان کربلا میں آتا ہے تو حضرت حسینؓ اور ان کے رفقا اسے رخصت کرتے ہیں۔ رزم: اس حصے میں جنگ کے مناظر بیان ہوتے ہیں۔ بین: اس حصے میں مرنے والے کی لاش پر آہ وزاری اور غم کا اظہار ہوتا ہے۔

صنعت حسن تعلیل

سوال نمبر 2(د) (ii)

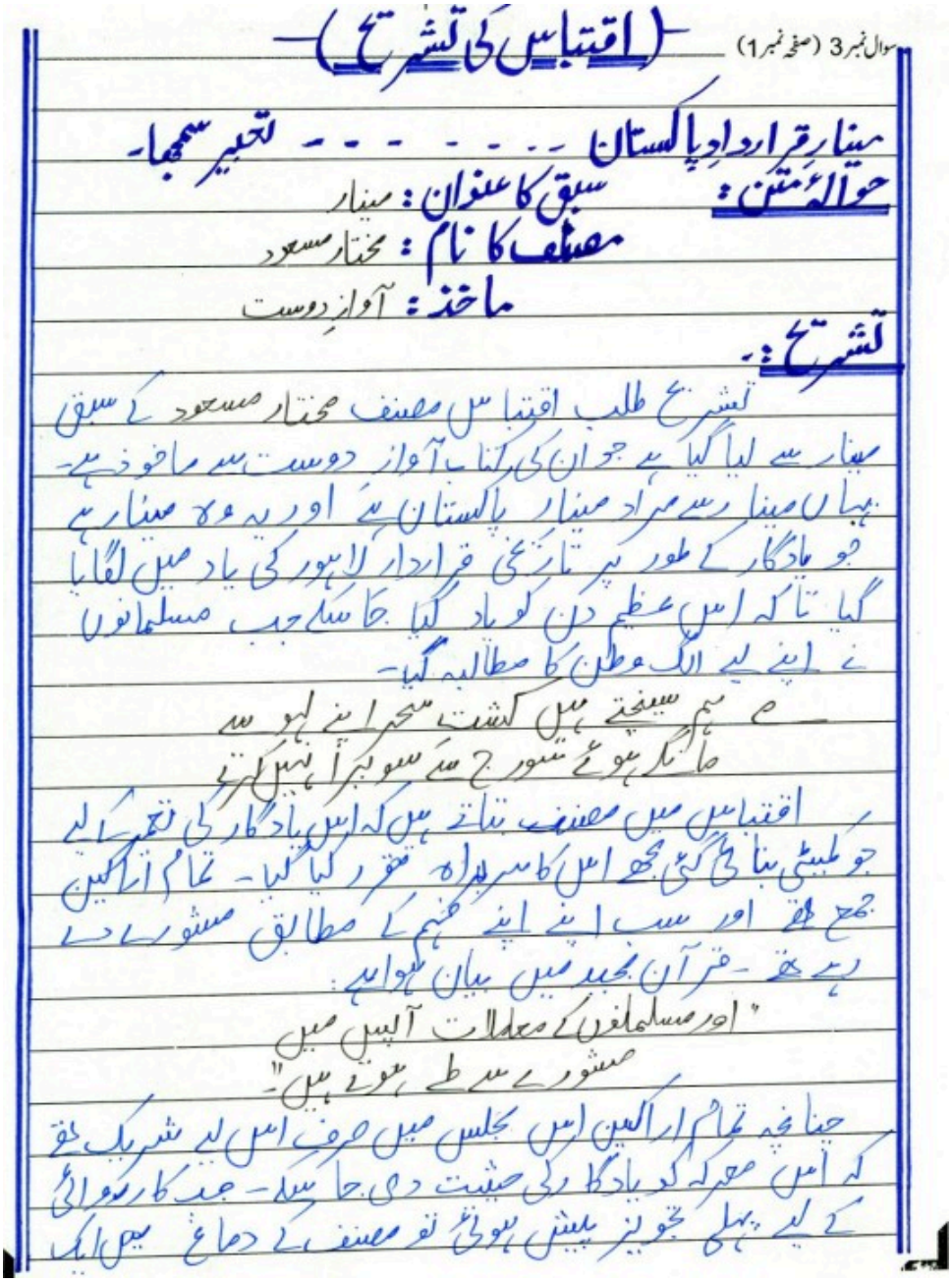
حسن کے معنی خوبصورتی کے ہیں اور تعلیل علت سے نکلا ہے جس کے معنی وجہ یا سبب کے ہیں۔ حسن تعلیل کے معنی ہیں خوبصورت وجہ۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ صنعت ہے جس میں شاعر کسی بات کی کوئی ایسی وجہ بنا لیتے ہیں جو حقیقت میں اس کی وجہ نہ ہو۔

؎ پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

یہاں ساحل کی موجوں کے حرکت و عمل کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ سپاہ خدا پیاسی تھی۔

؎ میری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ
کسی حبیب کی ہیں یہ بھی جستجو کرتے

چاند اور سورج کی آوارگی کی وجہ محبوب کی تلاش بتائی گئی ہے۔



سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 1)

(اقتباس کی تشریح)

مینارِ قراردادِ پاکستان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تحریر سمجھا۔

حوالۂ متن: **سبق کا عنوان:** مینار

مصنف کا نام: مختار مسعود

ماخذ: آوازِ دوست

تشریح:۔

تشریح طلب اقتباس مصنف مختار مسعود کے سبق مینار سے لیا گیا ہے جو ان کی کتاب آوازِ دوست سے ماخوذ ہے۔ یہاں مینار سے مراد مینارِ پاکستان ہے اور یہ وہ مینار ہے جو یادگار کے طور پر تاریخی قرارداد لاہور کی یاد میں لگایا گیا تاکہ اس عظیم دن کو یاد کیا جا سکے جب مسلمانوں نے اپنے لیے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔

ہم سینچتے ہیں کشتِ سحر اپنے لہو سے
ہاں تاکہ ہوئے شور جہ سے سویر انہیں کرتے

اقتباس میں مصنف بتاتے ہیں کہ اس یادگار کی تعمیر کے لیے جو کمیٹی بنائی گئی مجھے اس کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ تمام اراکین جمع تھے اور سب اپنے اپنے فہم کے مطابق مشورے دے رہے تھے۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

"اور مسلمانوں کے معاملات آپس میں
مشورے سے طے ہوتے ہیں"۔

چنانچہ تمام اراکین اس مجلس میں صرف اس لیے شریک تھے کہ اس معرکہ کو یادگار کی حیثیت دی جا سکے۔ جب کارروائی کے لیے پہلی تجویز پیش ہوئی تو مصنف کے دماغ میں ایک

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 2)

مقولہ آیا:

"جہاں خواہش قلبی اور فرض منصبی کی حدیں مل جائیں
تو اسے خوش بختی کہتے ہیں"۔

یہ مقولہ لیرناد شاہ کا تھا اور اس کا سادہ الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ جب انسان کی خواہش کے مطابق اسے کوئی عہدہ مل جائے یا اس کی مراد پوری ہو جائے تو حقیقی خوش نصیبی اسی کو کہتے ہیں۔ پس اس انسان پر بھی لازم ہوتا ہے کہ الراس کی قسمت نے اس کا ساتھ دیا ہے تو وہ بھی اپنا فرض پوری ذمہ داری سے ادا کرے۔

؎ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

چونکہ قرارداد لاہور تمام مسلمانوں کے لیے نہایت جوش اور ولولے کا مقام رکھتا تھا اور تمام مسلمان ایک الگ وطن کے قیام کی خواہش رکھتے تھے۔ بطور عہدہ دار، مصنف نے شکر گزاری کا اظہار کیا ہے کہ تمام مسلمانوں میں سے اسے اس کام کے لیے چنا گیا۔ چنانچہ وہ بھی اپنی ذمہ داری کو پوری ایمانداری سے نبھانے کے لیے کوشاں تھا۔

؎ وہ کہتے ہیں آزادی کو اک خواب ہی سمجھو
ہم کہتے ہیں ہر خواب کی اک ہوتی ہے تعبیر

مصنف کے مطابق جو عہدہ مصنف کو ملا تھا اس کے مطابق ایک مینار کی تعمیر کرنی تھی مگر وہ جس زمانے سے تعلق رکھتا تھا اس کا تعلق اس آزادی کی تحریک سے تھا جو مسلمانوں نے ایک الگ وطن حاصل کرنے کے لیے شروع کی تھی تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کو اپنا سکیں۔ لہٰذا اس لیے تعمیر میں مہارت اور نئی سوچ دونوں

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1)

(نظم میں جزو کی تشریح)

کرم ایسے کہ انعام کیے جاتے ہیں
جو اد ایسے کہ نعمت کو کم نہیں کرتے
جو ان کے جادۂ رحمت سے منحرف ہو جائیں
زمانے ان کو کبھی محترم نہیں کرتے
میسر آتی ہے جن کو درود کی توفیق
کسی بھی حال میں ہوں کوئی غم نہیں کرتے

نظم کا عنوان: نعت **شاعر کا نام:** افتخار عارف

تشریح:-

تشریح طلب اشعار شاعر افتخار عارف کی نظم نعت سے لیے گئے ہیں جو ان کی تصنیف شہر علم کے دروازے پر سے ماخوذ ہے۔ افتخار عارف کو نعتیہ کلام لکھنے پر کمال حاصل تھا اور انھوں نے اس نظم کے ذریعے بھی نبی کریم ﷺ سے اپنی عقیدت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔

؎ آپ ﷺ نے سب کی رہنمائی کی
ساری مخلوق سے بھلائی کی

شاعر بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ رحم اور مہربان تھے۔ آپ ﷺ کا کرم اس قدر تھا کہ آشنا اور ناآشنا دونوں کو برابر عطا فرماتے تھے اور سخی اس قدر تھے کہ کسی پر بھی اپنی رحمت کی بارشوں کو کم نہیں کرتے تھے۔ یہ عالم تھا کہ دوست اور دشمن دونوں کو مانگنے پر اور بن مانگے عطا فرماتے اور ہر کسی کے ساتھ بھلائی کا معاملہ فرماتے۔ صحابہ کرام آپ ﷺ کے بارے میں فرماتے تھے۔

"ہم نے آپ ﷺ سے زیادہ سخی کبھی کسی کو نہیں دیکھا"۔

آپ ﷺ کا خود فرمان ہے: "میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں، عطا اللہ کرتا ہے"۔

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 2) شاعر اسی ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ جو آپؐ کے جادۂ رحمت سے منحرف ہو جائیں وہ زمانے میں کبھی بھی عزت حاصل نہیں کر پاتے۔ جادہ کے معنی ہیں راستہ جبکہ رحمت وہ ہے جو آپؐ کی سنت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ آپؐ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے اور آپؐ کی سنت پر عمل کر کے ہی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

"بے شک تمہارے لیے نبی کریمؐ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔"

جو لوگ آپؐ کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ جاتے ہیں وہ زمانے میں کبھی بھی عزت و احترام حاصل نہیں کر سکتے۔ زمانہ ان کا ساتھ کبھی نہیں دیتا۔ وہ باطل کے ساتھی بن جاتے ہیں۔

ے نقشِ قدم نبیؐ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں یہ سنت کے راستے

شاعر اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو درود بھیجنے کی توفیق میسر آتی ہے وہ کسی بھی حال میں غم گین اور مایوس نہیں ہو سکتے۔ درود وہ کلمات ہیں جن میں آپؐ پر سلامتی، برکات بھیجی جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں
اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو۔"

چنانچہ کامیابی کا راستہ یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریمؐ پر کثرت سے درود پڑھا جائے اور ان پر سلامتی بھیجی جائے۔

ے پڑھنے لگا درود میں جب سے حضورؐ پر
ہر کام میرے واسطے آسان ہو گیا

یہ اشعار فنی محاسن اور زبان و بیان کے لحاظ سے بھرپور چاشنی لیے ہوئے ہیں۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1)

غزل کی تشریح

شعر نمبر 1:

یہ فخر کو حاصل ہے بہت ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں

مفہوم: ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ہم اچھے ہیں یا برے ہیں۔ ہم تو اس بات پر خوش ہیں کہ ہمیں کچھ وقت اپنے محبوب کے ساتھ گزارنے کو ملا۔

تشریح:

تشریح طلب شعر شاعرہ ادا جعفری کی غزل کا مطلع ہے۔ یہ غزل ان کی کتاب کلیات ادا جعفری سے ماخوذ ہے۔ اس شعر میں شاعرہ ایک عاشق کی فطری کیفیت کا ذکر کرتی ہیں کہ عاشق کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ اس کے معشوق کو کیا نام دیتے ہیں۔ کتنے لوگ اس کے عشق کو اچھا جانتے ہیں اور کتنے لوگ برا۔ لیکن عاشق کے لیے تو صرف یہ بات قابلِ فخر ہوتی ہے کہ اس نے اپنے محبوب کے ساتھ وقت گزارا۔ اپنا دنیا اس بات کو کس اچھے یا برے معنی میں استعمال کرے تو اس بات سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

دوسرے مصرعے میں شاعرہ کہتی ہیں کہ ہمارے لیے یہ بات فخر کی ہے کہ ہم نے محبوب کے ساتھ وقت گزارا۔ یہ قدم جو محبوب کے ساتھ اٹھائے گئے وہ ہماری زندگی کا تمام تر سرمایہ ہیں۔ شاعرہ کا موقف ہے کہ عاشق کے لیے محبوب کے ساتھ گزارا کیا وقت دنیا کی تمام چیزوں سے قیمتی ہوتا ہے اور یہ وقت اسے ہمیشہ یاد رہتا ہے۔

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

یہ شعر فنی اور فکری محاسن کا حسین امتزاج جس میں قافیہ، ردیف، صنعتِ تضاد ہے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 2)

شعر نمبر 2: ؎ جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور
تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ ملیں ہیں

مفہوم: جو لوگ مشکل حالات کا بہادری سے مقابلہ کر لیتے ہیں وہ اکثر خنک چھاؤں میں آ کر مل جاتے ہیں۔

تشریح:

شاعرہ نے یہاں دنیا کے لوگوں کی بے وفائی اور اپنے عزم کا ذکر کیا ہے۔ شاعرہ کہتی ہیں کہ وہ لوگ جو اپنی زندگی میں آنے والی کڑی دھوپ یعنی سخت مشکلات اور مصائب سے نہیں گھبراتے اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں وہی دنیا میں امیر ہوتے ہیں اور وہی اپنی منزل کو حاصل کرتے ہیں کیونکہ مشکلات ان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتی۔

؎ ہماری ہمت و جرات کی داد دو یارو!
ہوائے قہر و غضب میں بھی سر اٹھائے چلے

دوسرے مصرعے میں شاعرہ کہتی ہیں کہ عزم و ہمت سے ہر چیز کا مقابلہ کرنے والے اور ہر مصیبت سے گزرنے والے یہی لوگ اکثر تاروں کی خنک چھاؤں میں مل جاتے ہیں۔ یہاں تاروں کی خنک چھاؤں سے مراد اپنوں کی طرف سے ملنے والی تکلیف ہے۔ شاعرہ کا موقف ہے کہ بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنا کسی قدر سہل ہوتا ہے مگر اپنوں کے دیے جانے والے زخم عمر بھر یاد رہتے ہیں اور ستاتے ہیں۔

؎ دیکھا جو کھا کے تیر کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی۔

یہ شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے جہاں شعر حسن مطلع ہے اور اس میں کڑی دھوپ اور خنک چھاؤں جیسے استعارات کے ذریعے اپنا مطلب پڑھنے والوں تک پہنچایا گیا ہے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3) شعر نمبر 3 ہے ایک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں
ہم گردشِ دوراں سے بھی چال چل گئے

مفہوم: ایک امید ختم ہوئی تو ہم نے ایک اور شمع جلا لی۔ زمانے نے ہمارے خلاف چالیں چلیں مگر ہم زمانے سے چال چل گئے۔

تشریح:

شاعرہ اس شعر میں اپنی ہمت اور جرات کو بیان کرتی ہیں۔ کہ عشق کے راستے میں ہمیں مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ طوفان مسلسل ہماری جلائی گئی شمع کو بجھانے کی دھن میں لگا رہا مگر جیسی ہی ایک شمع بجھتی ہم ایک اور امید کی لو جلا لیتے اور اس طرح پر امید رہ کر زندگی کا سفر گزرا۔

ے ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

دوسرے مصرعے میں شاعرہ کہتی ہیں کہ زمانہ ہمارے خلاف مختلف چالیں چلتا رہا۔ اس نے ہمیں گرانے کی اور ناکام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر جیسے ہی زمانہ کوئی چال چلتا تو ہم بہت سی تدبیر کر کے اس چال کو ناکام بنا دیتے۔ شاعرہ کا موقف ہے کہ عشق کے راستے میں آنے والی مشکلات سے وہ لوگ نہیں گھبراتے جو اپنے مقصد سے عشق کرتے ہیں اور یہ مر تو سکتے ہیں مگر اپنے مقصد سے ہٹ نہیں سکتے۔

ے طوفان کر رہا ہے میرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی ہے کہ کشتی بھنور میں ہے

فنی محاسن کے حوالے سے یہ شعر غزل کا آخری شعر ہے جہاں شاعرہ نے شمع کو روشنی اور امید کے بطور استعارہ استعمال کیا ہے اور اپنی ہمت کو بیان کیا ہے۔

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 1)

خط نویسی

(مدیر کے نام بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے حوالے سے)

امتحانی مرکز
۱۸- مئی ۲۰۲۶ء

محترم مدیر! روزنامہ "جنگ" لاہور

السلام علیکم۔

میں آپ کے اخبار کا مستقل قاری ہوں اور عام عوام کے مدیر کے نام لکھے گئے خطوط باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ آپ کا اخبار نہایت صداقت کے ساتھ تمام خبروں کو شائع کرتا ہے اور قارئین کی رائے کو اعلیٰ حکام تک پہنچانے کے لیے فعال کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اخبار کی بہت شہرت ہے اور اس کا حلقۂ اثر بھی بہت وسیع ہے۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں عوام کی توجہ ایک نہایت اہم مسئلے کی جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ مسئلہ انفرادی کے بجائے اجتماعی نوعیت کا ہے اور اعلیٰ حکام کی توجہ اس حوالے سے بہت ضروری ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں جو مسئلہ جڑ پکڑ چکا ہے وہ ہے، ہمارے ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری۔ جبکہ ہم اپنے پیارے ملک پاکستان کو ایک ترقی پذیر ملک شمار کرتے ہیں، یہاں روزگار کے حالات اس سے بھی کہیں بدتر ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کی ۶۰ فیصد آبادی نوجوان ہونے کے باوجود بے روزگار ہے۔ اس کا گلہ ضرور تعلیم کو دیا جاتا مگر حالات تو یہ ہیں کہ وہ نوجوان جو ڈگریاں لیے بیٹھے ہیں، سڑکوں پر ریڑھیاں لگانے پر مجبور ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سے عناصر ہیں

سوال نمبر 6 (صفحہ نمبر 2) جو ہمارے ملک میں بے روزگاری کو فروغ دیتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ کہ ہمارے ہاں تعلیم کا معیار آج بھی وہی ہے جو ۱۹۴۷ء میں آزادی کے وقت تھا۔ کہنے والوں کا کہنا ہے کہ اس میں بتدریج بہتری آئی ہے مگر زمانہ جس تیزی سے ترقی کی راہیں طے کر رہا ہے، نہ یہ ترقی کافی ہے اور نہ ہی یہ نظامِ تعلیم۔ دوسرا یہ کہ ہمارے ہاں کی جانے والی بدعنوانی نے تعلیم اور نوکری دونوں کو مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہاں اصول کی بنا پر نہیں بلکہ رشوت اور سفارش کی بنا پر عہدے ملتے ہیں اور حقدار محروم رہتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ایک بھتیجا ہے دو سالے ہیں
عہدے تقسیم ہونے والے ہیں

ان مسائل کے سدباب کے لیے ہمیں بطورِ قوم ایک فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔ شفاف اور اچھے نظامِ تعلیم کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ طلباء و طالبات کو کتابوں سے زیادہ ہنر سکھائیں اور انھیں کوئی کام کرنے کے قابل بنائیں۔ آج کل سائنسی ترقی کے باعث بہت جدت آگئی ہے جسے نظامِ تعلیم میں استعمال کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ، رشوت خوری اور سفارش کے نظام کو ختم کر کے شفاف طریقے سے عہدوں کی تقسیم بہت ضروری ہے تاکہ ہنرمند افراد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے ملک کے لیے کچھ کر سکیں۔ حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ تعلیم جیسے اہم محاذ پر توجہ دے، اس کے لیے زیادہ اقدامات کرے اور نوکریوں کے لیے نئے مواقع فراہم کرے۔

امید ہے کہ آپ اپنے اخبار کے وسیع ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے اس اہم مسئلہ کو اعلیٰ حکام تک پہنچانے کی پوری کوشش کریں گے۔

والسلام
آپ کا مخلص
ا۔ب۔ج

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 1)

مضمون نویسی

برداشت اور رواداری

برداشت اور رواداری کہنے کو تو محض دو الفاظ ہیں مگر ان کا عملی زندگی میں اس قدر اہم عمل دخل ہے کہ انسان کی سوچ سے یہ نظارہ فزوں تر ہو۔ سادہ الفاظ میں، برداشت کے معنی صبر کے ہیں یعنی کسی کی ناخوشگوار بات کو خاموشی سے سہہ جانا اور عفو درگزر سے کام لینا جبکہ رواداری کے معنی عمل کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں گالی گلوچ اور تکرار سے بچتے ہوئے معتدل راستہ اختیار کرنا اور کسی کی بات کا ردعمل نہ دینا۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

آج کل کے دور میں برداشت اور رواداری بالکل ندارد ہیں۔ عدم عمل اور عدم برداشت عام ہو چکے ہیں۔ کسی کی بات سننے یا کسی کو برداشت کرنے کا کوئی رواج نہیں رہا۔ اصول کی بات کہنے والے کو بھی دبا دیا جاتا ہے اور نہ خود برداشت سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو اس پر عمل کرنے دیتے ہیں۔ ایسے حالات میں برداشت اور رواداری کا رویہ اپنانا جس قدر مشکل ہے اس قدر ضروری بھی ہے۔ اس کے لیے انفرادی کے ساتھ ساتھ اجتماعی کوشش کی بھی ضرورت ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب ہمیں برداشت اور عمل کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

کسی کی بات پر ردعمل دینا بہت آسان ہے اور اس سے وقتی طور پر ہلکی

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2) جھوٹی انا کی تسکین بھی ہو جاتی ہے مگر حقیقت میں یہ عمل انسان کو سخت اور پتھر دل بنا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام، جو کہ مکمل ضابطہ حیات ہے، اس نے ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

"بے شک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے"۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔
بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

آج کل کے دور میں جہاں صبر اور برداشت کرنے کو کمزوری اور حقوق کی پامالی تصور کیا جاتا ہے وہیں ان آیات کی روشنی میں واضح ہے کہ صبر کرنے والے کو اللہ کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے اور وہ اللہ کا دوست اور ساتھی بھی بن جاتا ہے۔ دین اسلام ہمیں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے ذریعے صبر و تحمل اور برداشت کی ایسی عظیم مثالیں فراہم کرتا ہے کہ جن کی پوری کائنات میں کہیں نظیر نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو اہل مکہ آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی تکالیف اور اذیتیں دیں مگر آپ ﷺ دین حق پر قائم رہے اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

جب آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے تو اہل طائف نے آپ ﷺ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ جب پہاڑوں کا فرشتہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے طائف کو تباہ و برباد کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں بدلہ لینے والا نہیں بلکہ رحمۃ اللعلمین بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے اختیار ہونے کے باوجود اہل مکہ سے کوئی بدلہ نہ لیا بلکہ سب کو معاف فرما دیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی آپ ﷺ کو یہی تعلیم فرمائی:

"اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ آپ ﷺ ان کے لیے رحم دل ہیں۔ اور

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3)

اگر آپؐ تنہا خود ہوتے تو یہ آپؐ سے چھوٹ کر
بھاگ جاتے پس آپؐ ان سے درگزر کیجئے۔"

برداشت اور رواداری کی ان عظیم مثالوں سے ہمیں بھی یہی سبق ملتا ہے کہ ہم بھی اپنی زندگی میں صبر اور برداشت کو لازم پکڑیں۔

آج ہمارا معاشرہ ایک اسلامی ریاست ہونے کے باوجود نفرت کا گہوارا بن چکا ہے۔ یہاں نسلی اور تہذیبی ہم آہنگی موجود نہیں اور محض ذات کے تفاخر کے باعث ایک دوسرے کو کمتر تصور کیا جاتا ہے جبکہ اس سلسلے میں بھی آپؐ نے ہماری رہنمائی فرمائی۔

انسان کو گر انسان سے پیار نہیں ہے
انسان ہی کہلانے کا حق دار نہیں ہے

اسی طرح ہمارے ہاں دین کی بنا پر فرقہ بندی قائم ہو چکی ہے اور اسی فرقہ واریت نے ہماری امت کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دشمن اپنی چالوں میں کامیاب ہو رہا ہے اور مسلمان بھائی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ جبکہ سب کا مرکز ایک اللہ، ایک رسولؐ اور دین اسلام ہے مگر اس نفاق نے ہمیں ایک مرکز پر اکٹھا نہیں رہنے دیا۔

اسی سلسلے میں علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

یہ مسئلہ صرف کسی ایک قوم کا نہیں ہے بلکہ عالمی سطح پر تمام اقوام ایک دوسرے سے محض رنگ و نسل کی بنا پر دور ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے ہمارے ہاں ہونے والی جنگیں اور لڑائیاں جن سے نہ صرف نسلیں عالم برباد ہوتا ہے بلکہ بین المذاہب ہم آہنگی حاصل کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

عالمی سطح پر بھی اقوام کے درمیان نفاق ہے اور اسی وجہ سے ہماری دنیا میں انتشار ہے حضرت محمدؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4)

"کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر
کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر، کسی
سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فوقیت نہیں۔
فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔"

برداشت اور رواداری اختیار کرنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے اور نفرت کے جذبات ختم ہوتے ہیں ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ سکون کی فضا قائم ہوتی ہے اور ترقی کے بہتر مواقع میسر آتے ہیں۔ زندگی کا سکون بحال ہوتا ہے اور متحد ہو کر آگے بڑھنے کی فضا قائم ہوتی ہے۔

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

بطور مسلمان، ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم پہلے اپنے اندر موجود نفاق اور ناچاکیوں کا خاتمہ کریں اور آپس میں محبت اور احساس کے ساتھ رحم دلی کے جذبات کو فروغ دیں۔ اس کے علاوہ ہم پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ ہم بطور امت اپنے دین کا بہترین پرچار کریں اور اس کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم برداشت اور رواداری کو اپنائیں اور امن کا جھنڈا لہرائیں۔ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہو۔"

چنانچہ یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ برداشت اور رواداری اگرچہ ایک مشکل عمل معلوم ہوتا ہے مگر اس کو اپنانے سے انسان اپنی دنیا سنوار سکتا ہے اور اللہ کے حضور آخرت میں بھی سرخرو ہو سکتا ہے۔